ہڑتال کی شرعی حیثیت

مولانا مفتی عبد اللطیف صاحب
جامعہ نظامیہ لاہور

حرفِ اوّل

خالق کائنات نے تمام اہل ایمان کو مخاطب کر کے فرمایا: یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَکُوْنُوْا مَعَ الصَّادِقِیْنَ[1] (منافق نہ بنو) سچوں کے ساتھ ہو جاؤ دو رنگی چھوڑ و ایک رنگ ہو جاؤ۔ ایسا نہ کرو کہ زبان سے مسلمان بنو اور عمل میں تم سے شرمائیں نصاریٰ اور یہود و ہنود۔ منافقت کی سزا تو کفر سے بھی زیادہ ہے اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ فِی الدَّرْکِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ[2] منافقین جہنم کے سب سے نچلے طبقہ میں ہونگے۔

کیا یہ منافقت نہیں کہ تقریروں اور تحریروں میں مزدوروں، غریبوں اور محتاجوں کے غم میں مگرمچھ کے آنسو بہاؤ، اور اندرون خانہ ان کی بربادی اور استحصال کے منصوبے بناؤ، سرمایہ داروں نے اپنی جبلت کے تحت محنت کشوں کو ظلم وستم کا تختۂ مشق بنایا تو اس کے ردِّ عمل کے نتیجے میں اشتراکی ریچھ نے پنجۂ استبداد پھیلایا اور بہت سے ممالک کو دبوچ لیا۔ ہر چیز کو قومیانے اور دولت کی مساویانہ تقسیم کا جھانسہ دیا۔ مزدوروں کو محنت کشوں کی حکمرانی کے سنہرے خواب دکھائے۔ لیکن نتیجہ کیا نکلا وہی ظلم و جور، وہی استحصال و استبداد غریب عوام دونوں جگہ مظلوم و مقہور، حاکم و محکوم، مزدور اور کارخانہ دار، جاگیر دار و کاشتکار۔ غریب و سرمایہ دار میں وہی کشمکش، وہی بے چینی وہی ہڑتالیں اور تالہ بندیاں، نہ سرمایہ داری نظام نے اس کا کوئی حل پیش کیا۔ نہ کمیونزم اور سوشلزم اس کا مداوا پیش کر سکا۔

---

[1] سورہ توبہ آیت ۱۱۹

[2] سورہ نساء آیت ۱۴۵

اس کا حل قرآن و سنت کے دامن میں ہے۔ جس کے عملی شکل میں پیش کرنیکی ذمہ داری اس قوم پر ہے جو خود کو حامل قرآن کہتی ہے اور جو اس ذمہ داری کو پورا کرکے قرآن کریم کی اصطلاح میں "خیر امۃ" قرار پا سکتی ہے۔ یہ علمائے امت کی ذمہ داری ہے کہ موجودہ معاشیات کو سامنے رکھ کر اس کا حل قرآن سنت کی روشنی میں پیش کریں۔ علمائے متقدمین نے فقہ اسلامی کا جو وسیع ذخیرہ چھوڑا ہے۔ اس میں ان تمام مسائل کا اصولی طور پر ذکر موجود ہے مگر متفرق۔ زیر نظر مضمون کا مقصد ان متفرق جواہر پاروں کو ایک جگہ جمع کرنا ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس ادنیٰ سی کوشش کو کامیاب اور قبول فرمائے۔ وَمَا تَوفِيقِي اِلَّا بِاللّٰهِ العلی العظیم۔

چونکہ اس مضمون کا موضوع ہڑتال کی شرعی حیثیت ہے، اس لئے موضوع سے متعلق چند ضروری اصطلاحات کا سمجھ لینا ضروری ہے۔

ہڑتال:- مزدور کا آجر کو اپنے مطالبات ماننے پر مجبور کرنے کے لئے کام چھوڑ بیٹھنا۔

تالہ بندی:- آجر کا مزدور کو مطالبات سے دست برداری پر مجبور کرنے کے لیے کام کرانا بند کر دینا۔

اجیر:- محنت کش یعنی مزدور۔

اجرت:- محنت کے منافع کا بدلہ۔

آجر یا مستاجر:- مزدوری کرانے والا صنعتکار۔ جاگیردار فرد ہو یا ادارہ سرکاری یا غیر سرکاری۔

اجارہ:- ایک عقد ہے "اَلاِجَارۃُ عَقۡدٌ یَرِدُ عَلَی الۡمَنَافِعِ بِعِوَضٍ"[۱] یعنی اجیر اور مستاجر کے درمیان باہمی رضامندی سے طے پانے والا ایک معاہدہ ہے جس کے تحت مزدور اپنی محنت کے منافع مستاجر کو دیتا ہے اور مستاجر ان منافع کا بدلہ تنخواہ وغیرہ کی شکل میں اجیر کو ادا کرتا ہے۔

اجارہ کی شرعی حیثیت

شریعت نے اجارہ کو اجیر اور مستاجر کے درمیان باہمی معاہدہ کی حیثیت سے تسلیم کیا ہے۔ قرآن کریم نے حضرت شعیبؑ

---

[۱] ہدایہ جلد ۳ ص ۲۹۱

اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کے درمیان اجارۃ کی گلہ بانی کو ان الفاظ میں ذکر فرمایا ہے قَالَ إِنِّي أُرِيدُ أَنْ أُنكِحَكَ إِحْدَى ابْنَتَيَّ هَاتَيْنِ عَلَىٰ أَن تَأْجُرَنِي ثَمَانِيَ حِجَجٍ ۖ فَإِنْ أَتْمَمْتَ عَشْرًا فَمِنْ عِندِكَ ۖ وَمَا أُرِيدُ أَنْ أَشُقَّ عَلَيْكَ ۚ سَتَجِدُنِي إِن شَاءَ اللَّهُ مِنَ الصَّالِحِينَ[1] یہ مستاجر یعنی شعیب علیہ السلام کی طرف سے عقد اجارہ کی پیش کش تھی۔ اجیر یعنی موسیٰ علیہ السلام نے اس پیش کش کو قبول کرتے ہوئے جواب دیا قَالَ ذَٰلِكَ بَيْنِي وَبَيْنَكَ ۖ أَيَّمَا الْأَجَلَيْنِ قَضَيْتُ فَلَا عُدْوَانَ عَلَيَّ ۖ وَاللَّهُ عَلَىٰ مَا نَقُولُ وَكِيلٌ[2] پس اجیر اور مستاجر کی حیثیت دو معاہدہ کرنے والوں کی ہوتی ہے جس طرح ایک خریدار دکاندار سے خرید و فروخت کا معاہدہ کرتا ہے خریدار قیمت دیتا ہے اور دکاندار اس کے بدلہ میں مال دیتا ہے۔ ان میں سے کوئی کسی پر احسان نہیں کرتا اسی طرح اجیر مستاجر سے اجرت کا معاملہ کرتا ہے تو گویا دونوں آپس میں ایک معاہدہ کرتے ہیں۔ اجیر اپنی محنت پیش کرتا ہے اور اس کے بدلہ میں مستاجر محنت کا عوض دیتا ہے ان میں سے کسی کی طرف سے ممنونیت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

گو حضرت شعیب علیہ السلام نے یہ واضح کر دیا تھا مَا أُرِيدُ أَنْ أَشُقَّ عَلَيْكَ۔ میں تمہیں تنگ کرنا نہیں چاہتا سَتَجِدُنِي إِن شَاءَ اللَّهُ مِنَ الصَّالِحِينَ۔ انشاء اللہ تعالیٰ تم مجھے معاملہ کا کھرا آدمی پاؤ گے۔ تاہم موسیٰ علیہ السلام نے جواب میں اس کی صراحت ضروری سمجھی کہ ذَٰلِكَ بَيْنِي وَبَيْنَكَ یہ میرے اور آپ کے درمیان ایک معاہدہ ہے أَيَّمَا الْأَجَلَيْنِ قَضَيْتُ فَلَا عُدْوَانَ عَلَيَّ ان دونوں میں سے جس مدت کو میں پورا کر دوں مجھ پر زیادتی نہ کی جائے۔ دونوں کی طرف سے زیادتی نہ کرنیکا ذکر اجارہ میں کسی طرف سے بھی زیادتی کے امکان کو سختی سے ختم کرنیکی ضرورت کو ظاہر کر رہا ہے اور انداز بیان اس طرف بھی اشارہ کر رہا ہے کہ زیادتی عموماً مستاجر کی طرف سے ہوتی ہے کیونکہ شعیب علیہ السلام نے بحیثیت آجر کے کہا کہ زیادتی کرنا میرا منصب نہیں مجھے انشاء اللہ تعالیٰ بھلا آدمی پاؤ گے۔ موسیٰؑ

---

[1] سورہ قصص آیت ۲۷

[2] سورہ قصص آیت ۲۸

نے بطور اجیر یہ وضاحت کردی کہ میں محض معاہدہ کا پابند ہوں۔ اس کے علاوہ مجھ پر کوئی ذمہ داری نہیں یعنی ہمارے درمیان جو معاہدہ ہوا ہے اس کی پابندی دونوں پر لازم ہے۔

صاحب بدائع وصنائع آیت کریمہ کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں :

وَقَصُّ اللّٰہِ عَلَیْنَا مِنْ شَرَائِعِ مَنْ قَبْلَنَا مِنْ غَیْرِ نَسْخٍ یَصِیْرُ شَرِیْعَۃً لَنَا[1]۔

اگلی شریعتوں کا حکم بغیر نسخ کے ذکر کرنے سے وہ ہماری شریعت کا حکم بن جاتا ہے۔

لہٰذا اب یہ اسلامی قانون کی ایک دفعہ قرار پائی کہ اجیر و مستاجر دونوں کی حیثیت مساوی ہے۔ مستاجر نہ تو کام لینے میں زیادتی کرسکتا ہے اور نہ مزدوری طے کرنے میں۔ اسی طرح اجیر نہ کام میں بددیانتی کرسکتا ہے اور نہ بلاوجہ آجر کو پریشان کرسکتا ہے یہ دفعہ اسلامی حکومت کو ایسے قوانین وضع کرنے کا حق دیتی ہے جس کے ذریعہ فریقین میں سے کسی پر زیادتی نہ ہونے پائے چنانچہ ابویعلیٰ نے محتسب کے فرائض بیان کرتے ہوئے فرمایا واذا تعدی مستاجر علی اجیر فی نقصان اجرہ او استزاد عملہ کفہ عن تعدیہ ..... لو قصر الاجیر فی حق المستاجر بنقصہ من العمل او استزاد فی الاجر منعہ منہ[2]

اس دفعہ کے مندرجہ ذیل فوائد مرتب ہوں گے۔

۱/ اجیر اور مستاجر ہر دو معاشرے کے مساوی فرد ہیں کسی کو دوسرے پر معاشی یا معاشرتی فوقیت حاصل نہیں۔

۲/ اجرت معروف ہو جس میں مزدور کی بنیادی ضرورتوں کی کفالت اور آجر کی استطاعت ملحوظ ہو۔ وعلی المولود لہ رزقھن وکسوتھن بالمعروف ولا تکلف نفس الا وسعھا[3]۔

---

[1] بدائع وصنائع جلد ۱۵ ص ۱۷۲

[2] ابویعلی الاحکام السلطانیہ ص ۲۸۶

[3] سورۃ البقرۃ ۲۳۳

۳ ۔ اجارہ چونکہ باہمی رضامندی سے طے پانیوالا معاہدہ ہے لہٰذا جب تک رضامندی ہے برقرار رہے گا ورنہ قابل فسخ ہے اجیر یا آجر کسی پر جبر نہیں اس کا یہ مطلب نہیں کہ اجیر کو ہڑتال اور مستاجر کو تالہ بندی کی اجازت ہوگئی کیونکہ تنسیخ معاہدہ اور ہڑتال یا تالہ بندی میں بڑا فرق ہے۔ اس لیے کہ تنسیخ معاہدہ اگر مزدور کی طرف سے ہو تو اس کا مطلب ہوگا کہ مزدور نے استعفیٰ دے دیا۔ اور اگر مستاجر کی طرف سے ہو تو اس کا مطلب ہوگا کہ اس نے اپنی کسی مجبوری کی وجہ سے کاروبار ختم کر دیا ہے یا مزدور کا استعفیٰ منظور کر لیا ہے اس میں کوئی قباحت نہیں کوئی قانون اور ضابطہ مزدور کو ہر صورت کام کرتے رہنے پر یا مستاجر کو نامساعد اور ناموافق حالات میں کاروبار جاری رکھنے پر مجبور نہیں کر سکتا۔ اس کا عدم جواز زیر بحث آ ہی نہیں سکتا جبکہ ہڑتال کا مطلب ہے کہ مزدور کام تو کرنا چاہتا ہے لیکن اس کے کچھ جائز یا ناجائز مطالبات ہیں مستاجر کو انہیں ماننے پر مجبور کرنے کے لیے کام چھوڑ بیٹھتا ہے اس کے ردعمل کے طور پر مستاجر تالہ بندی کر دیتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ مستاجر کاروبار تو بند نہیں کرنا چاہتا مگر ہڑتالی مزدوروں کو مطالبات سے دست برداری پر مجبور کرنے کے لئے انہیں کام کرنے سے روک دیتا ہے اس کے جواز اور عدم جواز پر بحث کی جا سکتی ہے اس مضمون کا مقصد قرآن وسنت کی روشنی میں نہ صرف یہ بتانا ہے کہ ہڑتال شرعاً ناجائز ہے بلکہ قرآن وسنت کی روشنی میں ہڑتال کے اسباب کے ازالے کے طریقہ ہائے کار بھی زیر بحث لانا ہے کیونکہ کسی برائی کو مٹانے کے لئے محض زبان یا قلم سے اسے ناجائز کہہ دینے سے وہ برائی ختم نہیں ہو سکتی جبکہ اس کے اسباب بکثرت پائے جاتے ہوں۔ پہلے ان اسباب کو ختم کرنا ہوگا۔

اسلام میں اجارہ کو صرف مادی حیثیت حاصل نہیں ہے جس میں اجیر یہ سمجھتا ہو کہ میں نے مستاجر سے زیادہ سے زیادہ اجرت حاصل کرنی ہے خواہ اسے فائدہ ہو یا نقصان اور مستاجر یہ سمجھتا ہو کہ میں نے اجیر سے کم سے کم اجرت میں زیادہ سے زیادہ محنت لینی ہے خواہ اسے یا اس کے اہل وعیال کو بھوکا ہی کیوں نہ رہنا پڑے اسے اجرت سے غرض اسے منافع سے غرض۔ بلکہ اسلام نے اسے اخلاقی اور روحانی معاہدہ قرار دیا ہے جیسا کہ واللہ علی مانقول وکیل[۱]

---

[۱] سورۃ قصص آیت ۲۸

سے ظاہر ہے کہ اجیر اور آجر ہر دو اس معاہدہ کو نیک نیتی اور ایمانداری سے نبھانے میں اللہ تعالیٰ کو وکیل بناتے ہیں جو دلوں کے بھیدوں کو بھی جانتا ہے وَاللّٰهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ[1] ہر ایک کو اپنے فرائض اخلاقی، روحانی اور مذہبی ذمہ داری سے ادا کرنے ہوں گے فرمانِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم "کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیته"[2] اور فرمانِ خداوند تعالیٰ "تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا"[3] کے پیشِ نظر دونوں کے دلوں میں ایک دوسرے کی نفرت نہیں بلکہ خیر خواہی کے جذبات ہوں "الدِّینُ نصح" بخاری کتاب الاحکام میں ہے:۔

مَا مِنْ عَبْدٍ يَسْتَرْعِيهِ اللّٰهُ رعيةً فَلَمْ يَحُطْهَا بِنَصِيحَةٍ إِلَّا لَمْ يَجِدْ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ۔

ایسا نہیں ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کسی بندے کو کسی رعیت کا نگہبان بنائے اور وہ ان کے ساتھ دلی خیر خواہی نہ رکھتا ہو ورنہ وہ جنت کی خوشبو بھی نہ پائے گا۔

برخلاف اس کے دنیا کے موجودہ اقتصادی نظاموں نے اجیر اور مستاجر کے درمیان تنازعات کے حل کے لیے جو طریق ہائے کار اختیار کئے ان کے مسائل حل ہونے کی بجائے مزید الجھ گئے ہیں۔ نظام سرمایہ داری نے سرمایہ کو تحفظ دیا اور مزدور کو بے یار و مددگار چھوڑ دیا تو اشتراکیت نے اپنا سارا وزن مزدور کے پلڑے میں ڈال دیا۔ لہٰذا دونوں ناکام ہوئے امریکہ، برطانیہ، فرانس، جرمنی وغیرہ مغربی ممالک میں جو سرمایہ داری کے علمبردار ہیں نہ مزدور مطمئن نہ سرمایہ دار خوش مزدور اپنی بے چینی کا اظہار ہڑتال سے کرتا ہے تو سرمایہ دار اپنی ناخوشی کا مظاہرہ تالہ بندی سے کر دیتا ہے۔ آئے دن کی ہڑتالیں اور تالہ بندیاں اس ناکامی کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ اشتراکیت نے اپنے ہتھوڑے کے وار سے

---

[1] سورہ تغابن آیت ۴

[2] مشکوٰۃ شریف ص ۳۲۰

[3] سورہ نساء ۵۸

سرمایہ دار کو تو موت کی نیند سلادیا اور درانتی سے مزدور کی رگ حس و عقل کاٹ دی ہے حکومت نے سرمایہ دار کی جگہ لے لی ہے اور مزدور مشین کا ایک بے حس پرزہ بن کر رہ گیا ہے جسے صرف اس لئے تیل دیا جاتا ہے کہ وہ کام کرتا رہے۔

محنت اور سرمایہ کے درمیان تنازعہ کا اصل سبب اجرت ہے۔ سرمایہ دار اجرت کم اور کام زیادہ لینا چاہتا ہے جبکہ مزدور اجرت زیادہ اور کام کم کرنا چاہتا ہے۔ جانبین کی اس غلط سوچ نے دونوں کے درمیان نفرت کی وسیع خلیج حائل کر دی ہے جسے خوفِ خدا سے عاری کوئی مادی نظام پر نہیں کرسکتا اسلام نے اس تنازعہ کو چودہ سو سال پہلے حل کر لیا تھا اور آج بھی وہی حل قابلِ عمل ہے اور امن کی کلید ہے اسلام کے نزدیک اس کے لیے سب سے ضروری چیز عوام اور حکومت کے کارندوں کی ذہنی تبدیلی ہے۔ ان میں ہمدردی، غمخواری اور دوسروں کی تکلیف کا احساس اتنا بیدار کر دیا جائے کہ بدحال لوگوں کی زبوں حالی کو دیکھ کر ان کی اپنی نیند حرام ہو جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں کچھ لوگ آئے جن کے بدن پر کمبل گلے میں تلوار اور پاؤں ننگے تھے آپؐ نے ان کے فقر کی یہ حالت دیکھی تو متغیر وجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (آپؐ کے چہرہ مبارک کا رنگ بدل گیا) آپؐ نے فوراً ان کے سہارے کا انتظام کیا اس کے بعد آپؐ کی یہ کیفیت دور ہوئی[۱] حکومت اور کارخانوں کی انتظامیہ کے ادنیٰ کارکنوں سے لیکر صدر مملکت اور کارخانہ داروں تک کے دل اس احساس سے لبریز ہوں کہ ان کے ماتحتوں اور مزدوروں کے حقوق ان کے پاس امانت ہیں ان کی ادائیگی میں ادنیٰ سی غفلت اور لاپرواہی زبردست خیانت ہے۔ یہی احساس خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو مجبور کرتا تھا کہ جب کسی کو کوئی اہم منصب سپرد کرتے تو تاکید فرماتے:۔

لا ترکبوا برذونا ولا تاکلوا نقیا و لا تلبسوا رقیقا و لا تغلقوا ابوابکم دون حوائج الناس فان فعلتم شیئا من ذلک فقد حلت بکم العقوبۃ[۲]

---

[۱] مسلم شریف جلد ۲

[۲] مشکوٰۃ ص ۳۲۴

عدہ تر کی گھوڑے پر سواری نہ کرنا۔ چپاتی نہ کھانا۔ باریک کپڑا نہ پہننا۔
دروازہ بند نہ کرنا کہ لوگوں کو اپنی حاجتیں پیش کرنے میں دقت ہو۔
ان میں سے کوئی بھی کام کروگے تو تم سزا کے مستحق ہوگے۔

یعنی یہ محض تم سے اپیل نہیں بلکہ قانونی دفعہ ہے جس کی خلاف ورزی پر سخت سزا ملے گی۔ اس قانون کو سب سے پہلے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے اوپر نافذ کیا۔ ملک میں قحط پڑا تو آپ نے گندم کی روٹی کھانی ترک کردی کیونکہ سب لوگوں کو یہ میسر نہیں ہے ان میں یہ احساس قرآن کریم کے اس تاکیدی حکم نے پیدا کیا اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ تُؤَدُّ واالامَانَاتِ اِلٰی اَھْلِھَا[1]۔
یہ آیت کریمہ جس طرح حکومت اور مستاجر میں احساس ذمہ داری کا تقاضا کرتی ہے اسی طرح مزدور اور محنت کش کو بھی احساس دلاتی ہے کہ کارخانہ کی مشینری اور تیری محنت جس کا معاوضہ تو اجرت کی شکل میں وصول کرے گا یہ سب تیرے ہاتھوں میں امانت ہے۔ مشینری کی چوری یا لاپرواہی سے اسے خراب کرنا یا وقت ضائع کرنا یہ سب خیانت لا یظلمون ولا یظلمون نہ یہ خود زیادتی کریں اور نہ ان پر زیادتی کی جائے حدیث پاک میں ہے لاضرر ولاضرار۔ نہ نقصان اٹھاؤ اور نہ نقصان پہنچاؤ۔ لہذا اسلامی فقہ کا اصول ہے الضرر یزال۔ ضرر کا ازالہ کیا جائیگا۔

امام ابویعلیٰ نے اپنی کتاب الاحکام السلطانیہ میں محتسب کے فرائض بیان کرتے ہوئے اس پر مفصل بحث کی ہے وہ لکھتے ہیں واذا تعدی مستاجر علی اجیر فی نقصان اجر او استزاد عملہ کفہ عن تعدیہ کوئی مستاجر مزدور کی اجرت میں کمی کرے یا کام زیادہ لینا چاہے تو محتسب اسے روکے گا۔ اگر مستاجر الزام سے انکار کرے تو فکان الانکار معتبرا بشواھد حالہ تو مستاجر کا انکار مزدور کے حالات کا مشاہدہ کرنے کے بعد معتبر ہوگا۔ اسی طرح مزدور کے بارے میں لکھا ولو قصر الاجیر فی حق المستاجر منقصہ من العمل او استزاد فی الاجر منعہ منہ[2] مزدور اگر مستاجر کے حق میں

---

[1] سورہ نساء ۵۸

[2] احکام سلطانیہ ص ۲۸۶

کوتاہی کرے کام کم کرے یا معروف اجرت سے زیادہ مانگے تو اس کو بھی ایسا کرنے سے روکے گا۔ اگر محتسب سے اختلاف دور نہ ہو سکے تو معاملہ عدالت میں پیش ہوگا فان اختلفوا وتنا کروا کان الحاکم بالنظر بینھما احق اور عدالت فیصلہ کرنے میں مندرجہ بالا فقہی اصول کی پابندی کریگی اَلضَّرَرُ یُزَالُ۔

اسلام مزدوروں، محنت کشوں کو صرف مستاجروں، صنعت کاروں، تاجروں کے رحم و کرم پر نہیں چھوڑتا بلکہ ان کے حالات کی بہتری کی اسلامی حکومت پر درج ذیل اہم ذمہ داریاں عائد کرتا ہے۔

(ا) آجر اور اجیر کے درمیان موثر ثالثی کردار ادا کرنا کہ کوئی فریق دوسرے پر زیادتی نہ کرنے پائے۔ کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیته[1] لہٰذا حکومت کا فرض ہوگا کہ انصاف کے تقاضے پورے کرنے کے لیے ان کی اجرت کم سے کم اتنی مقرر کرے کہ ان کی ضروریات پوری ہو سکیں۔

(ب) رسولِ خدا صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کا ارشاد ہے من استاجر اجیرا فلیعلمه اجره[2] نیز حدیث پاک میں آیا نھیٰ عن استجارۃ الآجر حتی یبین له اجره[3] ان احادیث پاک کا جہاں ایک مطلب یہ ہے کہ بے روزگاری کے مارے مزدور کو اندھیرے میں نہ رکھا جائے بلکہ بتا دیا جائے کہ تجھے اس کام کی اتنی اجرت ملے گی وہاں ایک مفہوم یہ بھی ہے کہ کسی سے بے گار نہیں لی جا سکتی جیسا کہ بعض مقامات پر اب بھی اس کا رواج ہے۔ اسی بناء پر فقہاء کرام کا اس پر اتفاق ہے کہ ان من صحتها ان تکون المنفعة والعوض معلومین[4] یعنی اجارہ کی صحت کی شرط یہ ہے کہ منفعت یعنی کام اور اجرت دونوں معلوم ہوں کہ مزدور کو اطمینان

---

[1] مشکوٰۃ ص ۳۲۰

[2] ہدایہ جلد ۳ ص ۲۹۱

[3] سنن کبریٰ بیہقی کتاب الاجارۃ

[4] ہدایہ جلد ۳ ص ۲۹۱

ہو کہ مجھے اجرت کتنی ملے گی اور متاجر کو معلوم ہو کہ میرا کام کتنا ہو گا۔

(ج) مدت ملازمت میں بیماری کی دیکھ بھال اور علاج کی ذمہ داری متاجر پر ڈالے۔

(د) مزدور سے بلا قصور کوئی نقصان ہو جائے تو تاوان نہیں ورنہ متاجر کو تاوان وصول کرنے کا حق ہے۔

(ھ) کاروبار میں نفع کی کمی اور معمولی خسارہ کی بناء پر مزدور کو علیحدہ نہ کیا جائے بلکہ مالک کے لیے ضروری ہو کہ یا تو وہ مزدور کو خود اس پر راضی کرے یا حکومت کے سامنے علیحدہ کرنے کی وجہ بیان کر کے علیحدگی کی اجازت حاصل کرے یہ اصول طے کر دینے کے بعد حکومت کا کام ختم نہیں ہو جاتا بلکہ ان پر عمل درآمد کی نگرانی کے لیے علیحدہ محکمہ قائم کرے جو ہر وقت اس بات کی نگرانی کرتا رہے کہ مزدوروں پر کوئی زیادتی تو نہیں ہو رہی۔ مزدوروں اور آجروں کے درمیان کوئی کشمکش تو نہیں چل رہی۔ کوئی فریق طے شدہ اصولوں میں سے کسی اصول کی خلاف ورزی تو نہیں کر رہا۔ اگر ایسا ہو رہا ہو تو حکومت محض تماشائی نہ بنی رہے بلکہ فوراً مداخلت کر کے منصفانہ تصفیہ کرائے۔ اس محکمہ کے ذمہ صرف کارخانوں کے مزدوروں یا سرکاری ملازمین کے حقوق کی نگہداشت ہی نہ ہو گی بلکہ ذاتی ملازموں، اہل پیشہ اجیروں، صناعوں، معلموں، طبیبوں اور محنت کش جانوروں کے حقوق کی حفاظت بھی اس کے سپرد ہو گی۔ امام ابویعلی نے احکام سلطانیہ صفحہ ۲۸۹ پر لکھا ہے اگر کوئی آقا اپنے ملازم یا خادم سے اتنا کام لے جس کو وہ ہمیشہ نہ کر سکے تو پھر مزدوروں کے نگران کا فرض ہے کہ وہ آقا کو ایسا کرنے سے بطور نصیحت روکے جبکہ نگران خود ایسا محسوس کرے اور اگر ملازم نے خود شکایت کی ہو تو سختی کے ساتھ روکے۔ اسی طرح اجیر مشترک، ڈاکٹر، طبیب، معلم، سنار، بڑھئی، دھوبی، رنگریز اور درزیوں وغیرہ کے کاموں کی اور ان کے حقوق کی نگرانی بھی کرے یہ تو تھے وہ فرائض جو اسلام نے حکومت پر اس لئے عائد کئے ہیں کہ وہ اجیر اور متاجر کے درمیان ثالثی اور اصلاح کے لیے انجام دے گی۔ اس کے علاوہ بھی اسلام نے حکومت پر کچھ ذمہ داریاں عائد کی ہیں جن پر عمل پیرا ہونے کی وہ خود ذاتی طور پر پابند ہو گی۔ اگر اسلامی حکومت ایمانداری اور خلوص نیت کے ساتھ ان پر عمل کرے تو نہ صرف یہ کہ آجر اور اجیر کے درمیان کشمکش باقی نہ رہے بلکہ معاشرہ کے کسی طبقہ میں بے چینی اور خلفشار باقی نہ رہے۔ تفصیل اس کی یہ ہے۔

۱/ بیت المال سے امداد

جمہوریت پسند اور اشتراکیت زدہ ممالک نے محنت کشوں کی مدد کے لیے خرابی بسیار کے بعد اب کچھ ناکافی سکیمیں بنائی ہیں مثلاً بے کار ہو جانے یا حادثہ پیش آجانے کی صورت میں مزدور اپنے وضع شدہ فنڈ کے حساب میں سے کچھ مدت تک امداد حاصل کر سکتا ہے۔ اس کے برخلاف اسلام نے ایسے بے روزگاروں، معذوروں اور حادثہ زدہ افراد کی امداد کے لیے بیت المال میں زکوٰۃ وعشر کے نام سے ایک مستقل فنڈ قائم کر دیا ہے جس سے ہر حاجتمند نادار بطور حق کے مدد لے سکتا ہے جو نہ صرف یہ کہ بلا سود ہوگی بلکہ ناقابل واپسی بھی ہوگی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے، توخذ من اغنیاء کم و ترد علی فقراءکم[۱] زکوٰۃ مالداروں سے لے کر ناداروں کو دی جائے گی۔ تاکہ دولت صرف چند ہاتھوں میں سمٹ کر نہ رہ جائے بلکہ زیادہ لوگوں میں پھیلے ارشاد خداوندی ہے۔ کی لا یکون دولۃ بین الاغنیاء منکم[۲] خیال رہے کہ زکوٰۃ صرف نفع سے نہیں لی جاتی بلکہ کل سرمایہ سے لی جاتی ہے۔ زکواۃ اور اسی طرح عشر اور مویشیوں کی زکواۃ کو صحیح طریقہ سے جمع کیا جائے اور ایسے مستحق افراد کی بحالی پر کسی منصوبہ بندی کے ساتھ صرف کیا جائے تو ہر سال لاکھوں افراد کو اپنے پاؤں پر کھڑا کیا جا سکتا ہے۔ اسلامی خزانہ کا یہ مستقل فنڈ محض غریب مزدوروں اور معذوروں اور حاجتمندوں کی امداد کے لیے مختص ہے اور اس فنڈ کی کل آمدنی مزدوروں کی جیب سے کٹوتی کر کے نہیں بلکہ سرمایہ داروں کی جیب سے حاصل کی جائیگی۔

۲/ غیر سودی قرضوں کا انتظام

غیر اسلامی حکومتیں غریبوں، ناداروں کو حکومت کے خزانہ سے قرضہ دیتی ہیں مگر وہ سودی قرضے ہوتے ہیں جس کے نتیجہ میں امداد عذاب میں بدل جاتی ہے کہ قرضہ سے کئی گنا زیادہ سود ادا کرنے کے باوجود قرضہ اسی طرح سر پر سوار رہتا ہے بخلاف اس کے اسلام ہر جائز ضرورت کے لیے بلا سود قرضہ فراہم کرتا ہے لان مال بیت المال معد لنوائب المسلمین[۳] بیت المال کا روپیہ

---

[۱] ترمذی ۱۱۷۱

[۲] سورہ حشر آیت ۷

[۳] ہدایہ جلد ۲ ص ۵۷۶

مسلمانوں کی ناگہانی ضرورت کے لیے ہے۔ بخاری جلد اول ص۳۰۵ پر ہے :۔

فلما فتح رسول الله صلّی الله علیه وآله وسلم الفتوح قال انا اولیٰ بالمؤمنین من انفسهم فمن توفي من المومنين وترك دينا فعلي قضائه ومن ترك مالا فلورثته ۔

جب اللہ تعالیٰ نے فتوحات نصیب فرما دیں تو آپؐ نے فرمایا کہ میں مسلمانوں کا خود ان کے اپنے نفسوں سے زیادہ ذمہ دار ہوں جس نے قرض چھوڑا اسکی ادائیگی میرے ذمہ ہے یعنی بیت المال پر ہے اور اگر اس نے ترکہ چھوڑا ہے تو وہ اس کے وارثوں کا ہے۔

اس حدیثِ پاک کی تشریح کرتے ہوئے حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں وهكذا يلزم المتولي لامرا المسلمين ان يفعله یعنی مسلمانوں کے والی پر ایسا کرنا لازم ہوگا۔ ورنہ وہ حکومت اور اس کے کارندے گناہگار ہوں گے فان لم يفعل فالاثم عليه ۔

حضرت عمرؒ بن عبدالعزیزؒ نے عراق کے گورنر عبدالحمید بن عبدالرحمٰن کو لکھا کہ لوگوں کو جو وظائف دیئے جاتے ہیں وہ جلد دیدے جائیں امیر نے جواب میں لکھا سب کے وظائف دیدئے گئے ہیں پھر بھی مال بچا ہوا ہے خلیفہ نے لکھا :۔

انظر من ادان في غير سفه و لا سرف فاقض عنه

ان لوگوں کو تلاش کرو جنہوں نے کسی فضول خرچی کے بغیر بامقصد قرضے لیے ہوں ان کے قرضے ادا کردو۔

امیر نے قرضوں کی ادائیگی کے بعد اطلاع دی کہ بیت المال میں اب بھی رقم بچی ہوئی ہے آپؒ نے حکم دیا :۔

انظر كل بكر ليس له مال فشاء ان يتزوج فتزوجه و اصدق عنه

اگر کوئی جوان پیسے نہ ہونیکی وجہ سے شادی نہ کر سکا ہو اور وہ شادی کرنا چاہتا ہو بیت المال سے ان کی شادی کردو اور ان کا مہر بھی بیت المال سے ادا کر دو۔

امیر نے لکھا میں نے عراق میں ایسے تمام لوگوں کی شادی کا انتظام کر دیا ہے اس کے بعد بھی رقم بچی ہوئی ہے آپ نے لکھا ان غیر مسلموں کو تلاش کرو جن پر سرکاری ٹیکس عائد ہے اور وہ اپنی مالی کمزوریوں کی وجہ سے زمین کاشت نہ کر سکے ہوں تو انہیں زمین کاشت کرنیکے لیے قرض دو اور ایک دو سال ان سے ٹیکس نہ لو[1]

واضح رہے کہ زکوٰۃ وعشر سے مستحقین کو جو مدد دی جاتی تھی وہ تملیک ہوتی یعنی واپس نہیں لی جاتی تھی اور بیت المال کے دوسرے فنڈوں سے جو قرض دیے جاتے تھے وہ بغیر سود کے ہوتے تھے ان کے صرف اصل زر کی واپسی ہوتی تھی اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے فلکم روس اموالکم[2] قرض خواہ صرف اصل زر لے سکتا ہے اگر اصل زر دینے کی فی الحال طاقت نہ ہو تو وَاِن کان ذوعسرۃ فنظرۃ الی میسرۃ[3] اگر مقروض تنگدست ہے تو فراخی حاصل ہونے تک مہلت دو۔ اگر معاف کر دو تو بہت بہتر ہے وان تصدقوا خیر لکم ان کنتم تعلمون[4]۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے۔

من سرّہٗ ان یظلہ اللہ یوم لا ظل الا ظلہ فلییسر علی معسرٍ اولیضع عنہ[5]

جو یہ پسند کرتا ہو کہ اسے اس دن رحمت الہی کا سایہ نصیب ہو جس دن اس کے سوا کسی کا سایہ نہیں ہوگا تو وہ تنگ دست پر آسانی کرے یا معاف کر دے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے مذکورہ بالا احکامات قرآن وحدیث کی ان ہی تعلیمات کا نتیجہ

---

[1] کتاب الاموال ص ۲۵۱

[2] سورہ بقرہ ۲۷۹

[3] سورہ بقرہ ۲۸۰

[4] سورہ بقرہ ۲۸۰

[5] تفسیر ابن کثیر جلد ۱ ص ۳۳۱

تھے۔ حضرت عمر بن عبد العزیز کے ان فرامین سے حسب ذیل نتائج حاصل ہوتے ہیں۔

۱۔ عام حکومتوں کے برخلاف اسلامی حکومت لوگوں کی ضرورتوں کو خود معلوم کرکے پورا کرتی ہے اگر قرض کی ضرورت ہو تو آسانی کے ساتھ بلا سود قرضے دیتی ہے۔

۲۔ حکومت لوگوں کی مدد صرف ہنگامی بنیاد پر نہیں کرتی بلکہ معاشی و معاشرتی مثلاً شادی بیاہ، کھیتی باڑی کے لیے بھی صرف قرض نہیں بلکہ غیر واپسی مدد کرتی ہے۔

۳۔ یہ مدد مسلم اور غیر مسلم کے امتیاز کے بغیر ہوتی ہے۔

وظائف

عام حکومتیں ایسے بے روزگاروں، معذوروں اور بے کاروں کے لیے تو کچھ سہولتیں مہیا کرتی ہیں جو کسی سرکاری یا نیم سرکاری اداروں میں ملازم رہ چکے ہوں پھر کسی مجبوری یا حادثہ کی وجہ سے بے کار ہوگئے ہوں اور مدت ملازمت میں تنخواہ کا ایک حصہ وضع کراتے رہے ہوں۔ باقی محتاجوں، معذوروں، بے کاروں کی امداد کی قانونی یا اخلاقی ذمہ داری یہ حکومتیں نہیں لیتیں۔ اسلام نے یہ ذمہ داری حکومت پر ڈالی ہے کہ وہ ایسے تمام لوگوں کی کفالت کرے خواہ وہ کسی ادارے میں ملازم رہ چکے ہوں یا نہیں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک اندھے کو بھیک مانگتے دیکھا آپ نے دریافت کیا تمہیں بھیک مانگنے کی ضرورت کیوں پڑی اس نے کہا میں یہودی ہوں جذیہ ادا کرنے اور اپنی ضروریات پوری کرنے کے لیے ایسا کرتا ہوں۔ آپ نے اسے بیت المال کے خزانچی کے پاس بھیجا اور حکم دیا اس جیسے لوگوں کی دیکھ بھال کرو۔ یہ انصاف نہ ہوگا کہ ہم ان کی جوانی کی کمائی کھائیں اور بوڑھا ہونے پر ان کو بے سہارا چھوڑ دیں اس سے جذیہ نہ لیا جائے۔ چنانچہ آپ نے وظائف کا ایک نظام ترتیب دیا تھا جس کے تحت ناداروں، بے روزگاروں، معذوروں، بچوں اور بوڑھوں کو وظائف ملتے تھے۔

اس تفصیل سے یہ اندازہ ہوگیا ہوگا کہ اسلامی نظام میں مزدوروں، بیکاروں اور بے وسیلہ لوگوں کی دیکھ بھال اور ان کی کفالت کے لیے کتنے وسیع احکامات دیئے گئے ہیں اور اس کے لیے اسلامی حکومت پر کتنی ذمہ داری ڈالی گئی ہے اور حکومت کے کارکنوں میں کس طرح انسانی ہمدردی اور خشیت الٰہی کا جذبہ پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

کیا ایسے نظام کے نفاذ کے بعد بھی مزدوروں اور محنت کش طبقہ کو اپنے مستقبل کے بارے

میں فکرمند ہونے کی ضرورت باقی رہے گی جو انہیں کارخانہ داروں اور مستاجروں سے کشمکش پر آمادہ کرے گی۔ چونکہ اسلام نے اجیر اور مستاجر کی کشمکش اور محنت کشوں اور سرمایہ داروں کے اختلاف کے تمام اسباب ہی ختم کر دیئے ہیں اس لیے اس نے ہڑتالوں اور مظاہروں اور اس کے ردِ عمل کے طور پر تالہ بندیوں کی اجازت بھی نہیں دی ہے۔ اگر بتقاضائے بشریت کبھی اختلاف پیدا ہو بھی جائے تو حکومت خاموش تماشائی نہیں بنی رہے گی بلکہ انصاف کے تقاضے پورے کرتے ہوئے ان کے درمیان صلح کرائے گی۔

حرفِ آخر

یہ تمام قواعد وضوابط کما حقہ بار آور نہیں ہو سکیں گے تاوقتیکہ ان کی پشت پر خشیت الٰہی اور مواخذہ آخرت کا حقیقی تصور اور قوتِ ایمانی کارفرماں نہ ہوگی۔ اگر مزدور اور مستاجر کے دل خوفِ خدا سے عاری ہیں تو کوئی قانون انہیں بددیانتی اور بدمعاملگی سے نہیں روک سکتا۔ یہ تو قرآنِ کریم کے ارشاد اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا[1] پر ایمانِ کامل اور حدیث پاک كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهٖ پر یقینِ محکم ہی قلب انسانی میں خواہ حکومت کے کارندے ہوں یا اجیر ہوں یا مستاجر ہوں یہ احساس بیدار کرتا ہے کہ قیامت میں ہم سے سوال ہوگا۔ کیا تم نے اپنی ذمہ داری احسن طریقے سے پوری کی؟ اگر نامہ اعمال نے جواب ہاں میں دیا تو مستحق اجر و ثواب قرار پائیں گے۔ ورنہ عذاب و سزا کے لیے جہنم میں دھکیل دیئے جائیں گے يُعْرَفُ الْمُجْرِمُوْنَ بِسِيْمَاهُمْ فَيُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِيْ وَالْاَقْدَامِ[2] مجرم اپنی بداعمالیوں سے پہچانے جائیں گے اور پیشانی کے بالوں اور پاؤں سے پکڑ کر گھسیٹے جائیں گے۔

مجرموں کی سزا کے قوانین تو اب بھی موجود ہیں۔ ملاوٹ۔ ذخیرہ اندوزی۔ رشوت۔ بلیک۔ زنا۔ قتل۔ چوری۔ ڈکیتی۔ شراب خوری۔ جوابازی وغیرہ جرائم کے انسداد کے لیے نہ صرف سزائیں مقرر ہیں بلکہ ان پر مواخذہ کے لیے بے شمار ایجنسیاں بنی ہوئی ہیں مگر جرائم ہیں کہ

---

[1] بنی اسرائیل ۳۱

[2] سورہ الرحمن ۴۱

بڑھتے جا رہے ہیں "مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی"۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ پورے معاشرے میں تصور آخرت دھندلا گیا ہے۔ دلوں سے خوفِ خدا محو ہو گیا ہے "آوا کا آوا ہی خراب ہو چکا ہے"

اسلام احکام سے پہلے ذہنوں کو تبدیل کرتا ہے۔ قرآن کریم کا جو حصہ مکہ معظمہ میں نازل ہوا اس میں عبادت۔ ریاضت۔ حدود و قصاص کی بجائے خشیت الٰہی۔ آخرت میں سزا و جزا کا ذکر زیادہ ہے۔ اس ذہنی تبدیلی کے بعد نماز۔ روزے۔ حج۔ زکوٰۃ وغیرہ کی فرضیت اور زنا چوری قتل شراب۔ جوا۔ سود وغیرہ کی حرمت کے احکام نازل ہوئے تو بغیر کسی پولیس اور انسدادی ایجنسیوں کے اس طرح عمل ہوا کہ دنیا انگشت بدنداں رہ گئی شراب کی حرمت کا حکم نازل ہوا تو صرف شخصِ واحد کی منادی پر مدینہ کی گلیوں میں بارش کے پانی کی طرح شراب بہہ رہی تھی یہ اسی ذہنی تربیت کا اثر تھا۔ تنہائی میں زنا کا ارتکاب ہو گیا۔ کوئی گرفتار کرنے والا نہیں۔ کوئی شکایت کرنیوالا نہیں مجرم کا خود اپنا ضمیر کشاں کشاں دربار رسالت میں لے آیا باصرار مطالبہ ہو رہا ہے یا رسول اللہؐ میں ہلاک ہو گیا مجھے پاک کر دیجئے۔ میں حدود اللہ سے تجاوز کا مرتکب ہو چکا ہوں۔ مجھ پر اللہ کی حد جاری کر دیجئے۔ کیا کسی انسانی معاشرے نے احترام قانون کی کبھی کوئی ایسی مثال قائم کی ہے جو قرن اول کے اسلامی معاشرہ نے عملاً پیش کر دی کاش مسلمان اپنے اسی ایمان و خشیت کے دور کی طرف لوٹ جائیں تو آج بھی دنیا کی سیادت و قیادت ان کے قدم چومنے کے لیے تیار ہے بعض لوگ کہتے ہیں کہ تم قرونِ اولیٰ کے تاریک دور کی طرف لوٹنا چاہتے ہو۔ جب نہ بجلی تھی نہ ہوائی جہاز تھے۔ بے شک یہ دور سائنسی ترقی میں بہت آگے ہے کاریں ہیں۔ ریلیں ہیں۔ ہوائی جہاز ہیں۔ بجلی ہے ایٹم ہے۔ ریڈیو ہے۔ ٹیلی ویژن ہے۔ آسائش کے تمام سامان ہیں مگر آسائش نہیں ہے۔ اطمینان نہیں ہے۔ بے چینی ہے۔ کشمکش ہے۔ نفرت ہے۔ قتل و غارت ہے غرض شر کا ایک طوفان ہے۔ بے پایاں سمندر ہے خیر کا کنارہ ہی نظر نہیں آتا دنیا تباہی کے کنارے پر پہنچ چکی ہے۔ اس دور نے تمہیں یہ سب کچھ دے رکھا ہے لیکن اس میں ایمان اور خوفِ خدا کی کمی ہے یہ کمی دور کرلو تو یہ سب چیزیں تمہارے لیے رحمت بن جائیں گی۔ بے اطمینانی ختم ہو کر اطمینان حاصل ہو جائے گا اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ[1] دلوں کا اطمینان دولت اور سامان تعیش کی فراوانی سے نہیں

---

[1] سورہ رعد آیت ۲۸

بلکہ ذکر الٰہی سے ہے۔ جو اطمینان حضرت ابراہیم ادہمؒ کو محل کی آسائشوں میں میسر نہ آسکا وہ انہیں صحراؤں میں یادِ الٰہی سے مل گیا۔

پس اس تمام بحث کا ماحصل یہ ہوا کہ اگر اجیر، مستاجر اور حکومت خدا خوفی اور ایمانداری کے ساتھ شریعت مطہرہ کی مذکورہ ہدایات پر عمل کریں تو وہ اسباب ہی ختم ہو جائیں گے جن کے نتیجہ میں ہڑتالیں، تالہ بندیاں اور مظاہرے رونما ہو کر معاشرے کے امن و امان کو تہ و بالا کر دیتے ہیں۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ عالم اسلام کو عموماً اور مسلمانان پاکستان کو خصوصاً توفیق عطا فرمائے کہ اپنی عملی زندگی کو اسلام کے مطابق ڈھال کر دنیا کی سیاست وقیادت کا فریضہ ادا کریں۔ آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین وعلی آلہ واصحابہ اجمعین برحمتک یا ارحم الراحمین۔